ماہِ ربیع الاوّل کے فضائل واحکام

مع چند غلط فہمیوں کا ازالہ

مبین الرّحمٰن

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
متخصص جامعہ اسلامیہ طیبہ کراچی
03362579499

ربیع الاوّل کی حقیقت اور مفہوم:

ماہِ ربیع الاول اسلامی سال کا تیسرا مہینہ ہے، ''ربیع '' در حقیقت عربی میں موسمِ بہار کو کہا جاتا ہے، اور اول کے معنی ہیں: پہلا، تو ربیع الاول کے معنی ہوئے: پہلا موسمِ بہار۔

موسمِ بہار دو زمانوں پر مشتمل ہوتا ہے: ایک تو اس کا ابتدائی زمانہ جس میں کلیاں اور پھول کھلتے ہیں، اور دوسرا وہ زمانہ جب پھل پک جاتے ہیں، پہلے زمانے کو ربیع الاول یعنی پہلا موسمِ بہار، جبکہ دوسرے زمانے کو ربیع الثانی یعنی دوسرا موسمِ بہار۔

یہ دونوں اسلامی مہینے ہیں، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ جب ان مہینوں کے یہ نام رکھے جارہے تھے تو اس وقت بہار کے یہی موسم تھے، اور اب چوں کہ نام رکھ دیے گئے ہیں اس لیے یہ مہینے چاہے موسمِ بہار میں آئیں یا اس کے علاوہ کسی اور موسم میں؛ ان کے یہی نام ہوں گے۔

چنانچہ لغت کی مشہور کتاب ''القاموس المحیط'' میں ہے:

والربيع ربيعان: ربيع الشهور، وربيع الأزمنة، فربيع الشهور: شهران بعد صفر، ولا يقال إلا: شهر ربيع الأول وشهر ربيع الآخر، وأما ربيع الأزمنة، فربيعان: الربيع الأول الذي يأتي فيه النور والكمأة والربيع الثاني الذي تدرك فيه الثمار، أو هو الربيع الأول. (باب العين فصل الراء)

اسی طرح مختار الصحاح میں ہے:

والرَّبِيعُ عند العرب ربيعان: ربيع الشهور وربيع الأزمنة فربيع الشهور شهران بعد صفر ولا يقال فيه إلا شهر ربيع الأول وشهر ربيع الآخر وأما ربيع الأزمنة فربيعان الربيع الأول وهو الذي تأتي فيه الكمأة والنور وهو ربيع الكلإ والربيع الثاني وهو الذي تُدرك فيه الثمار وفي الناس من يُسميه الربيع الأول وسمعت أبا الغوث يقول العرب تجعل السنة ستة أزمنة شهران منها الربيع الأول وشهران صيف وشهران قيظ وشهران الربيع الثاني وشهران خريف وشهران شتاء.(باب الراء)

حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کا سال:

حضور اقدس حبیبِ خدا ﷺ کی ولادت بابرکات عام الفیل میں ہوئی۔ عام الفیل سے مراد وہ سال ہے جس سال ابرہہ بادشاہ نے ہاتھیوں کا لشکر لے کر کعبے پر حملہ کرنے کی ناکام کوشش کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے کمزور پرندوں کے ذریعے ان کو نیست و نابود کیا، جس کا ذکر سورۃ الفیل میں ہے۔

چنانچہ مستدرک حاکم میں ہے:

٤١٨٠: حدثنا أبو العباس محمد بن يعقوب: ثنا محمد بن إسحاق الصنعاني: ثنا حجاج بن محمد: ثنا يونس بن أبي إسحاق عن أبيه، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: ولد النبي ﷺ عام الفيل.

المعجم الکبیر میں ہے:

١٢٤٣٢: حدثنا عبد الله بن أحمد بن حنبل: حدثني يحيي بن معين: ثنا حجاج بن محمد: ثنا يونس بن أبي إسحاق عن أبيه، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: ولد رسول الله ﷺ عام الفيل.

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس پر اتفاق نقل فرمایا ہے:

والذي لا يشك فيه أحد من علمائنا أن رسول الله ﷺ ولد عام الفيل، وبعث على رأس أربعين سنة من الفيل. (باب العام الذي ولد فيه رسول الله ﷺ)

حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کا مہینہ:

ماہِ ربیع الاول کو یہ عظیم الشان شرف حاصل ہے کہ اس میں سرورِ دو عالم افضل الخلائق خاتم النبیین فخرِ موجودات حضور اقدس ﷺ دنیا میں جلوہ افروز ہوئے، یقینًا یہ شرف اور مقام کسی اور مہینے کو حاصل نہیں، اس لیے اس حیثیت سے ماہِ ربیع الاول کو سال بھر کے تمام مہینوں پر فضیلت و فوقیت حاصل ہے۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ ''التمہید''میں فرماتے ہیں:

ولا خلاف أنه ولد يوم الاثنين بمكة في ربيع الأول عام الفيل وأن يوم الاثنين أول يوم أوحى الله إليه فيه.

حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کا دن:

حضور اقدس سرور کائنات ﷺ کی مبارک ولادت بروزِ پیر ہوئی، جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے:

حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أن رسول الله ﷺ سُئل عن صوم يوم الإثنين؟ قال: ذاک يوم ولدت فيه ويوم بعثت أو أنزل عليّ فيه.

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: پیر کے روز میری ولادت ہوئی اور اسی روز مجھے نبوت عطا کی گئی یا اسی روز مجھ پر وحی نازل کی گئی۔

(صحیح مسلم، کتاب الصیام، رقم: ۱۱۶۲)

اسی طرح ایک روایت میں پیر کے دن روزہ رکھنے کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی ہے:

سنن ابی داود میں ہے:

۲٤۳۸: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا أَبَانُ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي الْحَكَمِ بْنِ ثَوْبَانَ، عَنْ مَوْلَى قُدَامَةَ بْنِ مَظْعُونٍ، عَنْ مَوْلَى أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّهُ انْطَلَقَ مَعَ أُسَامَةَ إِلَى وَادِي الْقُرَى فِي طَلَبِ مَالٍ لَهُ فَكَانَ يَصُومُ يَوْمَ الاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، فَقَالَ لَهُ مَوْلاَهُ: لِمَ تَصُومُ يَوْمَ الاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ وَأَنْتَ شَيْخٌ كَبِيرٌ؟ فَقَالَ إِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَصُومُ يَوْمَ الاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، وَسُئِلَ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ: «إِنَّ أَعْمَالَ الْعِبَادِ تُعْرَضُ يَوْمَ الاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ».

(باب فِي صَوْمِ الاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ پیر اور جمعرات کو روزہ رکھا کرتے تھے تو ان سے اس کے بار میں پوچھا گیا

تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندوں کے اعمال جمعرات اور پیر کے دن اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔

چنانچہ سنن الترمذی میں ہے:

٧٤٧: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ رِفَاعَةَ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «تُعْرَضُ الأَعْمَالُ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَالخَمِيسِ، فَأُحِبُّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ».

(بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ يَوْمِ الِاثْنَيْنِ وَالخَمِيسِ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: پیر اور جمعرات کے دن اعمال اللہ کے ہاں پیش کئے جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل روزے کی حالت میں پیش ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت پیر کے دن ہوئی۔

تین متفق علیہ باتیں:

اس تفصیل سے تین باتیں معلوم ہوئیں:

1: حضور ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل میں ہوئی۔

2: حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ربیع الاول میں ہوئی۔

3: حضور ﷺ کی ولادت باسعادت پیر کے روز ہوئی۔

مذکورہ بالا تین باتوں پر جمہور کا اتفاق ہے، جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

وُلِدَ عَامَ الْفِيلِ عَلَى الصَّحِيحِ الْمَشْهُورِ، وَادَّعَى الْقَاضِي عِيَاضُ الْإِجْمَاعَ عَلَيْهِ، وَاتَّفَقُوا عَلَى أَنَّهُ وُلِدَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ فِي شَهْرِ رَبِيعٍ الْأَوَّلِ. (بَابُ الْمَبْعَثِ وَبَدْءِ الْوَحْيِ)

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ التمہید میں فرماتے ہیں:

ولا خلاف أنه ولد يوم الاثنين بمكة في ربيع الأول عام الفيل وأن يوم الاثنين أول يوم أوحى الله إليه فيه.

تحفۃ الاحوذی میں ہے:

قَالَ اِبْنُ الْجَوْزِيِّ فِي التَّلْقِيحِ : اِتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُلِدَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ فِي شَهْرِ رَبِيعِ الْأَوَّلِ عَامَ الْفِيلِ. (بَابُ مَا جَاءَ فِي مِيلَادِ النَّبِيِّ ﷺ)

حضور اقدس ﷺ کی تاریخِ ولادت:

حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ سے متعلق سال، مہینے اور دن کے اتفاق کے بعد اس بات میں شدید اختلاف ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کی تاریخ کیا تھی؟ اس حوالے سے امت کے حضرات اکابر کے متعدد اقوال ہیں: 2، 8، 10، 12، 13، 14 وغیرہ۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ''تہذیب الاسماء واللغات'' میں اس حوالے سے چار مشہور اقوال نقل فرمائے ہیں: 2، 8، 10، 12۔

واتفقوا على أنه ولد يوم الاثنين من شهر ربيع الأول، واختلفوا هل هو فى اليوم الثانى أم الثامن أم العاشر أم الثانى عشر، فهذه أربعة أقوال مشهورة.
(الترجمة النبوية الشريفة)

امت کے مؤرخین اور سیرت نگاروں کے دلائل اور تجزیے ملاحظہ کیے جائیں تو انھوں نے اپنے طور پر کسی تاریخ کو راجح قرار دیا ہے جس کی وجہ سے متعدد اقوال سامنے آتے ہیں، ان مذکورہ اقوال میں سے زیادہ تر 2، 8، 10 اور 12 تاریخ کو بعض یا اکثر نے ترجیح دی ہے۔ بعض حضرات نے 12 تاریخ کو مشہور قول قرار دیا ہے، مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے ''سیرت خاتم الانبیا ﷺ'' میں تاریخِ ولادت سے متعلق مذکورہ بالا اقوال نقل کرکے فرمایا کہ مشہور قول بارہویں تاریخ کا ہے، جبکہ متعدد حضرات نے 8 تاریخ کو ترجیح دی ہے، جس کے لیے علامہ احمد قسطلانی رحمہ اللہ ''المواہب'' سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں:

تاریخِ ولادت سے متعلق ایک قول 8 ربیع الاول کا ہے، شیخ قطب الدین قسطلانی فرماتے ہیں کہ یہی قول اکثر محدثین نے اختیار فرمایا ہے، حضرت ابن عباس اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے، اہلِ تاریخ ونسب نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، علامہ حمیدی اور ان کے شیخ ابن حزم کا

بھی یہی قول ہے، شیخ قضاعی نے عیون المعارف میں اس پر اجماع نقل کیا ہے،امام زہری نے امام محمد بن جبیر بن مطعم سے یہی روایت کیا ہے، وہ عرب کے نسب کے ماہر تھے اور انھوں نے اپنے والد حضرت جبیر رضی اللہ عنہ سے یہی بات روایت کی ہے۔

المواهب اللدنية بالمنح المحمدية:

وقيل: لثمان خلت منه، قال الشيخ قطب الدين القسطلانى: وهو اختيار أكثر أهل الحديث، ونقل عن ابن عباس وجبير بن مطعم، وهو اختيار أكثر من له معرفة بهذا الشأن، واختاره الحميدى، وشيخه ابن حزم، وحكى القضاعى فى «عيون المعارف» إجماع أهل الزيج عليه، ورواه الزهرى عن محمد بن جبير بن مطعم، وكان عارفا بالنسب وأيام العرب، أخذ ذلك عن أبيه جبير.

(آيات ولادته ﷺ)

شیخ التفسیر مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق اور مستند کتاب ''سیرت المصطفی ﷺ'' میں فرماتے ہیں:

ولادت باسعادت کی تاریخ میں مشہور قول تو یہ ہے کہ حضور پر نور ﷺ 12 ربیع الاول کو پیدا ہوئے، لیکن جمہور محدثین اور مؤرخین کے نزدیک راجح اور مختار قول یہ ہے کہ حضور ﷺ 8 ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی ''البدایہ والنہایہ'' میں 8 تاریخ کو راجح قرار دیا ہے۔

حضور ﷺ کی ولادت کی تاریخ میں اختلاف کی وجہ ؟؟

یہاں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جب حضور ﷺ کی ذاتِ بابرکات اس قدر عظیم الشان ہستی ہے کہ اللہ تعالٰی کے بعد آپ ہی کا مرتبہ ہے: بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔۔اسی طرح حضرات صحابہ کرام جو کہ حضور ﷺ کے جانثار تھے اور حضور ﷺ کی ہر ایک ادا انھوں نے محفوظ فرمائی تو پھر تاریخِ ولادت کی درست تعیین کیوں نہ ہو سکی؟؟ تو اس شبہ کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں جن میں سے ایک درست جواب یہ بھی ہے کہ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت کی تاریخ سے

متعلق امت کا کوئی شرعی حکم وابستہ نہیں تھا اس لیے منجانب اللہ اس کی حفاظت کا اہتمام نہیں کیا گیا، سال بھر کی جن تاریخوں سے شریعت کے احکام وابستہ تھے تو ان سے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات امت کے سامنے ہیں اور ان تاریخوں کو محفوظ رکھنے کا اہتمام امت نے بخوبی کیا، لیکن حضور ﷺ کی ولادت کی تاریخ سے متعلق قرآن وسنت میں کوئی مخصوص حکم نہیں ملتا اس لیے ان کو محفوظ رکھنے کے لیے خصوصی اقدامات حضرات صحابہ کرام کی جانب سے اجتماعی طور پر سامنے نہیں آئے اور نا ہی حضور ﷺ کی جانب سے ایسا کوئی حکم دیا گیا۔

حضور ﷺ کی تاریخِ ولادت میں اختلاف سے واضح ہونے والا ایک اہم نکتہ:

ماقبل کی تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ کی تاریخِ ولادت کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں، یہ اختلاف خود اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ حضور ﷺ کی تاریخِ ولادت سے متعلق نہ تو حضور ﷺ نے کوئی حکم یا فضیلت بیان فرمائی، نہ ہی حضرات صحابہ کرام میں اس حوالے سے کسی خاص عمل یا جشن وغیرہ کا اہتمام تھا اور نا ہی حضرات تابعین وتبع تابعین میں، کیوں کہ اگر اس تاریخ سے متعلق حضور ﷺ، حضرات صحابہ وتابعین کرام میں کوئی مخصوص عمل یا اہتمام یا جشن وغیرہ رائج ہوتا تو امت میں اس تاریخ سے متعلق اس قدر اختلاف نہ ہوتا۔

مزید تفصیل آگے بیان کی جائے گی، ان شاءاللہ۔

تاریخِ ولادت میں روزہ رکھنے سے متعلق ایک شبہ کا ازالہ:

ماقبل میں یہ بات بیان ہوئی کہ حضور ﷺ پیر کے دن دنیا میں تشریف لائے اور حضور ﷺ پیر کے دن روزہ بھی رکھا کرتے تھے، جب ان سے پیر کے دن روزہ رکھنے سے متعلق پوچھا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ پیر کے روز میری ولادت ہوئی اور اس روز مجھے نبوت عطا کی گئی یا اس روز مجھ پر وحی نازل کی گئی۔ (صحیح مسلم، کتاب الصیام، رقم: ١١٦٢)

اس سے بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ تاریخِ ولادت کو روزہ رکھنا مستحب ہے، واضح رہے کہ یہ بات متعدد وجوہات کی بنا پر درست نہیں۔

1: اس حدیث میں تاریخِ ولادت کا ذکر نہیں بلکہ یومِ ولادت کا ذکر ہے جو کہ پیر کا دن ہے، اور حضور اقدس ﷺ تاریخِ ولادت میں روزہ نہیں رکھتے تھے بلکہ یومِ ولادت کو روزہ رکھتے تھے، حضرات صحابہ کرام نے یومِ ولادت یعنی پیر کے دن روزہ رکھنے سے متعلق ہی سوال کیا تھا۔ اس لیے اس سے پیر کے دن روزہ رکھنا ثابت اور مسنون قرار پاتا ہے۔

2: پیر کا روزہ سال بھر ہر ہفتے نصیب ہوتا ہے اور یہی حضور ﷺ کا معمول تھا، جبکہ تاریخِ ولادت سال میں ایک ہی بار نصیب ہوتا ہے جو کہ احادیث کے خلاف ہے۔

3: ماقبل میں بیان کی گئی ایک حدیث میں پیر کے دن روزہ رکھنے کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی کہ پیر اور جمعرات کے دن اعمال اللہ کے ہاں پیش کئے جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل روزے کی حالت میں پیش ہو۔ ظاہر ہے کہ اعمال کی پیشی یومِ ولادت کو ہوتی ہے نہ کہ تاریخِ ولادت کو۔

اس سے ان حضرات کی غلطی بخوبی واضح ہو جاتی ہے جو کہ 12 ربیع الاول کو تاریخِ ولادت قرار دے کر اس دن روزہ رکھنے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

ماہِ ربیع الاول کی فضیلت:

ماہِ ربیع الاول کو عظیم الشان شرف حاصل ہے کہ اس میں سرورِ دو عالم افضل الخلائق خاتم النبیین حضور اقدس ﷺ دنیا میں جلوہ افروز ہوئے، یقیناً یہ شرف اور مقام کسی اور مہینے کو حاصل نہیں، اس لیے اس حیثیت سے ماہِ ربیع الاول کو سال بھر کے تمام مہینوں پر فضیلت وفوقیت حاصل ہے۔ اس ماہِ مبارک کے لیے یہی فضیلت ومقام کافی ہے۔ البتہ اس مہینے سے متعلق اضافی فضیلت قرآن وسنت سے کہیں ثابت نہیں۔

ماہِ ربیع الاول کے اعمال:

قرآن وسنت کی روشنی میں اس ماہِ مباک سے متعلق مخصوص اعمال کا ثبوت نہیں، اس لیے اس سے متعلق اپنی جانب سے اعمال وعبادات بیان کرنا شریعت میں زیادتی ہے جو کہ ناجائز ہے۔ البتہ اس مہینے میں چوں کہ حضور ﷺ کی مبارک آمد ہوئی ہے، اس حیثیت سے حضور ﷺ سے اس مہینے کا

ایک خاص تعلق ہے،اس لیےاس مہینے کی عظمت اور احترام کا تقاضا یہ ہے کہ اس ماہ میں حضور ﷺ کی محبت میں گناہوں سے بچنے، عبادات کا اہتمام کرنے، سنت اپنانے اور بدعات سے اجتناب کا اہتمام بھی بخوبی کیا جانا چاہیے اور آئندہ کے لیے بھی پختہ عزم کرلینا چاہیے کہ اپنی زندگی حضور ﷺ کی تعلیمات کے مطابق بسر کرنی ہے، یہی حضور ﷺ کی آمد مبارک کا مقصد ہے۔

مؤمن کا ہر لمحہ ربیع الاول ہے:

بہت سے مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ جب ربیع الاول آتا ہے تو انھیں حضور ﷺ کی محبت اور عشق یاد آجاتا ہے، سیرت کے جلسے یاد آجاتے ہیں، درود شریف کا اہتمام کا شوق ابھر آتا ہے، حتی کہ حضور اقدس ﷺ کی محبت اور عشق کے اظہار کے نت نئے نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں، ذرا سوچیے کہ کیا حضور ﷺ کے ساتھ محبت اور اس کے اظہار کا سلسلہ صرف ماہِ ربیع الاول کے ساتھ خاص ہے؟؟ کیا حضور ﷺ کی سیرت کے تذکرے صرف اس ماہِ مبارک کے ساتھ مخصوص ہیں؟؟ ظاہر ہے کہ کوئی بھی مسلمان اس کا دعوی نہیں کرسکتا، کیوں کہ حضور ﷺ کے ساتھ محبت تو سال بھر بلکہ زندگی بھر کا معاملہ ہے، یہ کسی مہینے کے ساتھ خاص نہیں اور نا ہی چند چیزوں کے ساتھ خاص ہے، بلکہ مؤمن کی زندگی کا ہر لمحہ ربیع الاول ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں حضور ﷺ کی محبت میں حضور ﷺ کی تعلیمات کو مد نظر رکھتا ہے، ہر وقت اس کی زبان پر حضور ﷺ کے مبارک تذکرے ہوتے ہیں، وہ زندگی بھر عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات میں حضور ﷺ کی سنتوں کا شیدائی ہوتا ہے۔اس لیے حضور ﷺ کی محبت کے تعلق کو ماہِ ربیع الاول کے ساتھ خاص کرنا یہ حضور ﷺ کے ساتھ عشق کے تقاضوں اور ان کی تعلیمات کے خلاف ہے، خصوصا جبکہ حضرات صحابہ کرام کے مبارک دور بلکہ خیر القرون میں ماہِ ربیع الاول سے متعلق کوئی خاص سرگرمی نظر نہیں آتی اور نا ہی انھوں نے اس ماہ میں سال کے دیگر مہینوں کی بنسبت خصوصیت کے ساتھ عشق و محبت کے نمونے اپنائے ہوں۔

ماہِ ربیع الاول اور سیرت کے جلسے:

حضور ﷺ کے ساتھ ایک مؤمن کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ زندگی بھر اس کی زبان پر حضور

اقدس ﷺ کے تذکرے ہوں، ظاہر ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے ہر وقت اسی کا تذکرہ کرتے رہنے میں ایک عاشقِ صادق کو لطف آتا ہے، وہ یہ کیسے گوارہ کر سکتا ہے کہ اس کی زبان اور دل کسی لمحہ محبوب کے ذکر سے خالی ہو، اس لیے حضور ﷺ کے تذکرے زندگی بھر ہونے چاہیے، سال بھر ہونے چاہیے، حضور ﷺ کے تذکروں کو ربیع الاول کے ساتھ خاص کرنا عشق کے تقاضوں کے بھی خلاف ہے اور شریعت کی تعلیمات کے بھی، اس سے سیرت کے ان جلسوں کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے جو صرف اس ماہِ ربیع الاول میں منعقد کیے جاتے ہیں۔

حضور ﷺ کے ساتھ حقیقی عشق کے تقاضے:

یاد رکھیے کہ حقیقی عشق کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ عاشق اپنے محبوب کی مکمل پیروی کرے، اس کی کامل اطاعت کرے، اس کی اطاعت سے سرِ مو اعراض نہ کرے۔ یہی حال حضور ﷺ کے ساتھ عشق و محبت کا بھی ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ محبت کا حقیقی تقاضا یہ ہے کہ:

1: حضور ﷺ کی محبت اپنے دل میں ساری دنیا سے بڑھ کر رکھے، خدا کے بعد محبت کا حقیقی حق حضور ﷺ کا ہے، اپنی جان، مال، اولاد اور والدین بلکہ سارے جہاں کی محبت سے زیادہ حضور ﷺ کی محبت ہمارے دل میں ہونی چاہیے۔

2: حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ کرے، اس کو ذہن نشین کرے، دل ودماغ اور زبان پر حضور ﷺ کی سیرت کے تذکرے بسائے، اور اس کو سارے جہاں میں عام کرنے کی کوشش کرے کیوں کہ ایک عاشق صادق یہی چاہتا ہے کہ جس طرح وہ اپنے محبوب کا دیوانہ ہے تو سارا جہاں بھی اسی کا دیوانہ ہو جائے۔

3: حضور ﷺ کی سیرت کو اپنی زندگی میں لانے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

4: حضور ﷺ کی کامل اطاعت کی جائے، ان کی تعلیمات اور سنتوں کے مطابق زندگی گزاری جائے، کوئی بھی کام حضور ﷺ کی منشا کے خلاف نہ کیا جائے۔

5: حضور ﷺ کی سنت سے محبت کی جائے اور بدعات و رسومات سے بالکلیہ اجتناب اور نفرت کی جائے۔

6: حضور ﷺ پر کثرت سے درود بھیجا جائے، جب ان کا ذکر آئے تو درود بھیجنے کا اہتمام کیا جائے، کم از کم دن میں 100 بار تو اہتمام ہونا ہی چاہیے۔

7: حضور ﷺ کی تعظیم اور ان کے آداب کا ہر آن لحاظ رکھا جائے۔

8: جس دین کے لیے حضور ﷺ مبعوث فرمائے گئے اس کی اشاعت میں حتی الوسع حصہ لیا جائے۔

معلوم ہوا کہ عشق تو کامل اطاعت کا نام ہے، حضور ﷺ کی اطاعت کیے بغیر ان کی محبت کا دَم بھرنا محض ایک کھوکھلا دعوی ہے جو کہ عند اللہ قبولیت نہیں پا سکتا۔

جشنِ میلاد النبی ﷺ کی حقیقت:

حضور اقدس ﷺ کی محبت ہر مؤمن کے ایمان کا اہم جُز ہے، اور حضور ﷺ کی پیدائش سے لے کر وصال تک مبارک زندگی کی سیرت وحالات کا تذکرہ رحمتِ خداوندی کے نزول کا باعث ہے، حضور ﷺ کا ذکر مبارک افضل طاعات میں سے ہے، بڑے ہی اجر وثواب کا باعث ہے، اس لیے ہر مسلمان کی ذمہ داری اور حضور ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے کہ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے مبارک حالات سے واقفیت حاصل کرے۔

حضور ﷺ کا ذکر مبارک زندگی بھر، پورے سال، پورے مہینے، کسی ہفتے، کسی بھی دن اور کسی بھی لمحے ممنوع نہیں بلکہ بڑے ہی سعادت والے ہیں والے لمحات جن میں حضور ﷺ کا ذکر مبارک کیا جائے۔ اس میں تو کسی بھی مسلمان کو تردد اور اختلاف نہیں ہو سکتا، البتہ جو بات باعثِ اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ذکر مبارک کے لیے ماہ ربیع الاول کو خاص کرنا، حضور ﷺ کی محبت کے نام پر یومِ ولادت یا میلاد منانا، اس ماہ میں یا خصوصاً 12 تاریخ کو حضور ﷺ کی آمد یا میلاد کی خوشی میں جلسے جلوس منعقد کرنا، اس کو عید قرار دے کر عید جیسے اعمال سرانجام دینا، چراغاں کرنا، تاریخِ ولادت کو صبح صادق کے وقت آمدِ مبارک کی خوشی میں قیام کرنا، یا میلاد النبی ﷺ کی نسبت سے دیگر امور سرانجام دینا شریعت کی نظر میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ کیا یہ کام حضور اقدس ﷺ، حضرات صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ سے ثابت ہیں؟ اگر ثابت ہیں تو ظاہر ہے کہ پھر تو کسی مسلمان کے لیے اس میں تردد کی گنجائش نہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ حضور ﷺ کے 23 سالہ عہدِ نبوت میں ربیع الاول

میں میلاد کے نام پر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، پھر تقریبا 30 سال خلافت راشدہ کا زمانہ رہا، پھر تقریبا دو سو سال تک خیر القرون کا زمانہ بنتا ہے، یہ پورا عرصہ ماہِ ربیع االاول میں جشنِ میلاد سے خالی نظر آتا ہے، تو کیا وجہ ہے کہ انھوں نے عشق کے نام پر یہ جشن نہیں منایا؟ اور اس کے تمام تر اسباب موجود ہونے کے باوجود انھوں نے اسے ایجاد نہیں کیا تو آج یہ کیسے درست ہو سکتا ہے؟؟ آج یہ عشق کے نام پر کیسے اپنایا جا سکتا ہے؟؟ آج یہ حضور ﷺ کے ساتھ عشق کا معیار کیسے بن سکتا ہے؟؟

جشنِ عید میلاد النبی ﷺ کے بدعت ہونے کی ایک عام سی وجہ:

جشنِ عید میلاد منانا بدعت اس لیے ہے کہ قرآن وسنت، حضرات صحابہ کرام اور خیر القرون کے مبارک زمانے سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ یہ 6 صدی ہجری کے بعد ایجاد ہوئی، تفصیل کے لیے دیکھیے حضرت علامہ سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز کتاب ''راہ سنت''۔

جشنِ عید میلاد سے متعلق اختلاف کن باتوں میں ہے؟؟

یہ بات سمجھنا نہایت ہی اہم ہے کہ جشن میلاد منانے والے حضرات اور اس کو بدعت کہنے والے حضرات کا مابین کن باتوں میں اختلاف ہے تاکہ صحیح نقطہ نظر واضح ہو سکے ورنہ تو جشن منانے والوں کی جانب سے ایسے دلائل دیے جاتے ہیں جو فریقین کو بھی تسلیم ہوتے ہیں:

1: حضور ﷺ کی ولادت باسعادت میں اختلاف نہیں۔

2: حضور ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری کے نعمت، باعثِ رحمت اور باعثِ ہدایت ہونے میں اختلاف نہیں۔

3: حضور ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری پر خوش ہونے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے معاملے میں اختلاف نہیں۔

4: حضور ﷺ کی سیرت کے تذکرے کرنے، حالات واقعات بیان کرنے اور زندگی کا ہر پہلو بیان کرنے کے باعثِ اجر وثواب ہونے اور باعثِ نزولِ برکات ہونے میں اختلاف نہیں۔

5: حضور ﷺ کے ساتھ عشق ومحبت کے ضروری بلکہ ایمانی جُز ہونے میں اختلاف نہیں۔

6: حضور ﷺ کی تعلیمات اپنانے کی اہمیت میں اختلاف نہیں۔

7: حضور ﷺ کی شان مبارک میں نعت لکھنے، نعت پڑھنے کے باعثِ اجر و ثواب ہونے میں اختلاف نہیں۔

8: حضور ﷺ پر درود شریف بھیجنے کی فضیلت میں اختلاف نہیں۔

9: حضور ﷺ کی مدح میں شرعی حدود میں رہتے ہوئے سیرت کا جلسہ یا نعت کی محفل منعقد کرنے میں اختلاف نہیں۔

10: حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے تذکرے بیان کرنے کی اہمیت وفضیلت میں اختلاف نہیں۔

یہ وہ باتیں ہیں جن پر اتفاق ہے، اس لیے ان باتوں کے اثبات کے لیے دلائل دینے کی حاجت نہیں کیوں کہ یہ سب باتیں پہلے ہی سے مسلم ہیں۔ اب ذرا ملاحظہ کیجیے کہ اختلاف اور اعتراض کی باتیں کونسی ہیں تاکہ معاملے کی صحیح صورتحال واضح ہو سکے:

1: ماہِ ربیع الاول کو خاص بلکہ التزام کر کے ذکرِ ولادت باسعادت کرنے، حضور ﷺ کا ذکرِ مبارک کرنے اور سیرت کے جلسے منعقد کرنے میں اختلاف ہے۔

2: یومِ ولادت کا جشن منانے میں اختلاف ہے۔

3: اسے عید میلاد النبی ﷺ کا نام دینے اور اس میں عید کا سماں پیدا کرنے میں اختلاف ہے۔

4: جشن میلاد کے نام پر چراغاں کرنے، راستوں کو بند کرنے، رات بھر عمومی اسپیکر سے نعت یا سیرت بیان کر کے محلے والوں کو تکلیف دینے پر اعتراض ہے۔

5: عید میلاد کا جلوس نکالنے پر اعتراض ہے۔

6: آلاتِ موسیقی اور موسیقی کے طرز کے ساتھ نعت پڑھنے پر اعتراض ہے۔

7: عشق نبوی کے نام شرعی احکامات کی پامالی اور بدعات کی ترویج پر اعتراض ہے۔

8: حضور ﷺ کے ذکرِ ولادت باسعادت اور سیرت کے تذکرے کو ماہِ ربیع کے ساتھ خاص کرنا اور لازم سمجھنا کہ اس ماہ میں ایسا نہ کرنے والوں کو تنقید وملامت کا نشانہ بنانے پر اعتراض ہے۔

اور یہ اختلاف اور اعتراض اس لیے ہے کہ حضور ﷺ کے 23 سالہ عہدِ نبوت میں ربیع الاول میں میلاد کے نام پر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، پھر تقریباً 30 سال خلافت راشدہ کا زمانہ رہا، پھر تقریباً دو سو سال تک خیر القرون کا زمانہ بنتا ہے، یہ پورا عرصہ ماہِ ربیع الاول میں جشنِ میلاد سے خالی نظر آتا ہے، تو کیا وجہ ہے کہ انھوں نے عشق کے نام پر یہ جشن نہیں منایا؟ اور اس کے تمام تر اسباب موجود ہونے کے باوجود انھوں نے اسے ایجاد نہیں کیا تو آج یہ کیسے درست ہو سکتا ہے؟؟ آج یہ عشق کے نام پر کیسے اپنایا جا سکتا ہے؟؟ آج یہ حضور ﷺ کے ساتھ عشق کا معیار کیسے بن سکتا ہے؟؟ ان باعثِ اعتراض واختلاف باتوں کا ثبوت ہونا چاہیے، باقی جو باتیں فریقین کے نزدیک مسلم ہیں ان کا ثبوت دینے کی حاجت نہیں۔

اس تفصیل کو سمجھنے کے بعد ان دلائل کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے جو عید میلاد منانے کے لیے دیے جاتے ہیں۔

ماہِ ربیع الاول میں سبیلیں لگانے، حلوہ پکانے یا کھانے تقسیم کرنے کا حکم:

بعض لوگ ماہِ ربیع الاول خصوصاً 12 تاریخ کو سبیلیں لگا کر دودھ یا شربت پلاتے ہیں، حلوہ، چاول یا دیگر کھانے پکا کر تقسیم کرتے ہیں؛ یہ تمام تر چیزیں بدعات کے زمرے میں آتی ہیں جن سے اجتناب کرنا ضروری ہے، جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

1: اگر ان سے مقصود اپنی ذات کے لیے صدقہ دینا ہے تو واضح رہے کہ صدقہ سال بھر میں کسی بھی دن دیا جا سکتا ہے، اور صدقہ میں کوئی بھی جائز چیز دی جا سکتی ہے، لیکن اس کے لیے مہینہ یا دن خاص کرنا یا صدقہ میں کوئی چیز خاص کرنا شریعت کے خلاف ہے۔

2: اگر ان کاموں سے مقصود کسی کے لیے ایصالِ ثواب ہے تو واضح رہے کہ ایصال ثواب کے لیے نہ تو کوئی دن یا مہینہ خاص ہے، نہ صرف صدقہ دینا ہی ضروری ہے، اور نہ ہی صدقے میں کوئی خاص چیز دینا ضروری ہے، اس لیے ایصالِ ثواب کے لیے بھی مہینہ یا دن خاص کرنا یا ایصال ثواب میں کوئی چیز خاص کرنا شریعت کے خلاف ہے۔

3: اگر اس سے مقصود عید میلاد کی خوشی اور جشن منانا ہے تو اس کی ممانعت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ قرآن وسنت اور خیر القرون سے یہ چیزیں ثابت نہیں جو آج عشق نبوی اور دین کے نام پر کی جاتی ہیں۔

ماہِ ربیع الاول کی بدعات پر مشتمل کھانے پینے کا شرعی حکم:

1: شریعت ہر مسلمان سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ سنت و شریعت کی پیروی کرتے ہوئے بدعات سے خود بھی اجتناب کریں اور دوسروں کو بھی بدعات ترک کرنے کی ترغیب دے۔

2: اسی طرح ہر وہ کام جس سے بدعات کی ترویج، اشاعت اور حوصلہ افزائی ہوتی ہو اس سے بھی مکمل اجتناب کرے، کیوں کہ یہ بھی گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔ اس لیے بدعات پر مشتمل مجالس یا کاموں کے لیے چندہ دینا، کسی بھی قسم کا تعاون کرنا، ان کی تعریف کرنا، ان کے لیے دعوت یا مہم چلانا، ان میں شرکت کرنا یا اس طرح کا کوئی بھی کام کرنا جس سے بدعات کو تقویت ملے؛ یہ سب شریعت کے خلاف ہے۔ واضح رہے کہ شریعت کا مزاج بدعات کی حوصلہ شکنی کا ہے۔

3: اس لیے ماہِ ربیع الاول کی بدعات پر مشتمل مجالس اور کھانے پینے کے مقامات میں شریک ہونا ناجائز ہے کیوں کہ اس سے بدعات کی شان و شوکت میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کو قوت اور رواج میسر آتا ہے۔

4: البتہ اگر کوئی شخص بدعات پر مشتمل یہ کھانا پینا کسی کے ہاں بھیج دے تو ایسی صورت میں مسئلہ واضح رہے کہ اگر حرمت کی کوئی اور وجہ موجود نہ ہو تو محض بدعت کی وجہ سے وہ کھانا پینا اپنی ذات میں حرام نہیں ہو جاتا، البتہ کوشش یہی کی جائے کہ اسے وصول ہی نہ کیا جائے اور ان کے سامنے صحیح صورتحال واضح کی جائے، یا اگر وصول ہی کرنا پڑے تب بھی ان کے سامنے صحیح صورتحال واضح کی جائے کہ یہ چیزیں شریعت کے مطابق نہیں اور نہ ہی ہم اس کے قائل ہیں، وصول کرنے کی صورت میں اس کھانے پینے سے اجتناب کرتے ہوئے کسی غریب کے ہاں بھیج دیا جائے تاکہ بدعات کی نفرت دل میں برقرار رہے اور احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، اور جب لینے والے نہ رہیں گے تو دینے والے خود بخود یہ بدعات ترک کر دیں گے، البتہ اگر خود ہی کھا لیا جائے تو حرام نہیں بشرطیکہ حرمت کی کوئی اور وجہ موجود نہ ہو، البتہ اجتناب کرنے ہی میں احتیاط ہے، خصوصًا وہ شخص تو خصوصی اجتناب کرے جو کہ مقتدا ہو تاکہ بدعات کا خاتمہ ہو سکے۔ البتہ اگر کسی نے حرام مال سے یہ کھانا پینا تیار کیا ہے یا غیر اللہ کی نذر و نیاز کی نیت سے کوئی جانور ذبح کر کے تیار کیا ہے تو اس کا حرام ہونا واضح ہے، اور جہاں ماحول اور افراد کی اعتقادی حالت کی وجہ سے پہچان نہ ہوتی ہو اور اس پہلو کا امکان ہو تو وہاں بھی وصول نہ کرنے ہی میں احتیاط ہے۔

5: جو شخص صحیح العقیدہ مسلمان ہے اور اس کے ہاں سے عام ایام میں بھی کھانے پینے کی چیزیں گھر آتی رہتی ہیں اور وہ ماہِ ربیع الاول خصوصًا 12 تاریخ کو بھی ایسی کوئی چیز بھیجے اور یہ کہے کہ میں نے کسی بھی غلط نظریے سے نہیں بھیجی ہے تو اس کا کھانا بالکل درست ہے البتہ بھیجنے والا کوشش یہ کرے کہ بدعات کے خاتمے کے لیے خصوصا 12 تاریخ کو یہ اہتمام نہ ہو تو اچھا ہے۔

(تفصیل ملاحظہ فرمائیں: ماہِ محرم الحرام کے فضائل و احکام از مفتی محمد رضوان صاحب، فتاویٰ عثمانی و دیگر کتب)

ایک بنیادی اختلاف:

درحقیقت فریقین کے مابین بدعت کی حقیقت ہی میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بدعت کی حقیقت سے متعلق مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ کے افادات پر مبنی ایک طویل تحریر قارئین کے سامنے پیش کر دی جائے کیوں کہ اس سے مسئلہ بخوبی واضح ہو سکے گا۔ذیل میں بدعت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں، یہ تفصیلات ماخوذ ہیں:

کتاب: دین و شریعت کی بنیادیں اور فقہی اصول و ضابطے قرآن کی روشنی میں

افادات: مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ

انتخاب و ترتیب: حضرت مولانا محمد زید ندوی استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بدعت کی تعریف اوراس کی حقیقت:

اصل لغت میں بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں، خواہ عبادات سے متعلق ہو یا عادات سے، اور اصطلاح شرع میں ہر ایسے نو ایجاد طریقۂ عبادت کو بدعت کہتے ہیں جو زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے بعد اختیار کیا گیا ہو، اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے عہدِ مبارک میں اس کا داعیہ اور سبب موجود ہونے کے باوجود نہ قولاً ثابت ہو نہ فعلاً، نہ صراحتًا نہ اشارتًا۔ بدعت کی یہ تعریف علامہ برکوئی کی کتاب ''الطریقۃ المحمدیۃ'' اور علامہ شاطبیؒ کی کتاب ''الاعتصام'' سے لی گئی ہے۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ عادات اور دنیوی ضروریات کے لیے جو نئے نئے آلات اور طریقے روزمرہ ایجاد ہوتے رہتے ہیں ان کا شرعی بدعت سے کوئی تعلق نہیں کیوں کہ وہ بطور عبادت اور بہ نیت ثواب نہیں کیے جاتے، یہ سب جائز اور مباح ہیں، بشرطیکہ وہ کسی شرعی حکم کے مخالف نہ ہوں۔

نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو عبادت آنحضرت ﷺ یا صحابہ کرام سے قولاً ثابت ہو یا فعلاً، صراحتًا یا اشارتًا؛ وہ بھی بدعت نہیں ہو سکتی۔

نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس کام کی ضرورت عہدِ رسالت میں موجود نہ تھی، بعد میں کسی دینی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے پیدا ہو گئی، وہ بھی بدعت میں داخل نہیں، جیسے مروجہ مدارس اسلامیہ اور تعلیمی تبلیغی انجمنیں اور دینی نشرواشاعت کے ادارے اور قرآن و حدیث سمجھنے کے لیے صرف و نحو اور ادب عربی اور فصاحت وبلاغت کے فنون، یا مخالفِ اسلام فرقوں کا ردّ کرنے کے لیے منطق اور فلسفہ کی کتابیں یا جہاد کے لیے جدید اسلحہ اور جدید طریقۂ جنگ کی تعلیم وغیرہ کہ یہ سب چیزیں ایک حیثیت سے عبادت بھی ہیں، اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد میں موجود بھی نہ تھیں، مگر پھر بھی ان کو بدعت اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ ان کا سبب، داعی اور ضرورت اس عہد مبارک میں موجود نہ تھی، بعد میں جیسی جیسی ضرورت پیدا ہوتی گئی علمائے امت نے اس کو پورا کرنے کے لیے مناسب تدبیریں اور صورتیں اختیار کرلیں۔ (جواہر الفقہ ۱/۴۵۸)

اِحداث فی الدّین اور اِحداث للدّین کی تفصیل:

اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب چیزیں نہ اپنی ذات میں عبادت ہیں، نہ کوئی ان کو اس خیال سے کرتا ہے کہ ان میں زیادہ ثواب ملے گا، بلکہ وہ چیزیں عبادت کا ذریعہ اور مقدمہ ہونے کی حیثیت سے عبادت کہلاتی ہیں، گویا یہ اِحداث فی الدین نہیں بلکہ اِحداث للدین ہے، اور احادیث میں ممانعت احداث فی الدین کی آئی ہے، احداث للدّین کی نہیں، یعنی کسی منصوص دینی مقصد کو پورا کرنے کے لیے بضرورتِ زمان ومکان کوئی نئی صورت اختیار کرلینا ممنوع نہیں۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جن کاموں کی ضرورت عہدِ رسالت میں اور زمانِ مابعد میں یکساں ہے ان میں کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرنا جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں اس کو بدعت کہا جائے گا اور یہ ازروئے قرآن وحدیث ممنوع وناجائز ہوگا، مثلاً درود وسلام کے وقت کھڑے ہوکر پڑھنے کی پابندی، فقراء کو کھانا کھلا کر ایصال ثواب کرنے کے لیے کھانے پر مختلف سورتیں پڑھنے کی پابندی، نماز باجماعت کے بعد پوری جماعت کے ساتھ کئی کئی مرتبہ دعاء مانگنے کی پابندی، ایصالِ ثواب کے لیے تیجہ چہلم وغیرہ کی پابندی، رجب وشعبان وغیرہ کی متبرک راتوں میں خود ایجاد قسم کی نمازیں اور ان کے لیے چراغاں وغیرہ، اور پھر ان خود ایجاد چیزوں کو فرض وواجب کی طرح سمجھنا، ان میں شریک نہ ہونے والوں پر ملامت اور لعن طعن کرنا وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ درود وسلام، صدقہ وخیرات، اموات کو ایصالِ ثواب، متبرک راتوں میں نماز وعبادت، نمازوں کے بعد دعا؛ یہ سب چیزیں عبادات ہیں، ان کی ضرورت جیسے آج ہے ایسے ہی عہدِ صحابہ میں بھی تھی، ان کے ذریعہ ثوابِ آخرت اور رضائے الٰہی حاصل کرنے کا ذوق وشوق جیسے آج کسی نیک بندے کو ہوسکتا ہے، رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کو ان سب سے زائد تھا، کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ اس کو صحابہ کرام سے زائد ذوقِ عبادت اور شوقِ رضائے الٰہی حاصل ہے؟؟ حضرت حذیفہ بن یمانؓ فرماتے ہیں کہ: كُلُّ عِبَادَةٍ لَمْ يَتَعَبَّدْهَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَلَا تَعَبَّدُوهَا فَإِنَّ الْأَوَّلَ لَمْ يَدَعْ لِلْآخِرِ مَقَالًا، فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ، وَخُذُوا بِطَرِيقِ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ وَنَحْوُهُ لِابْنِ مَسْعُودٍ أَيْضًا۔ یعنی جو عبادت صحابہ کرام نے نہیں کی وہ عبادت نہ کرو، کیوں کہ پہلے لوگوں نے پچھلوں کے لیے کوئی

کسر نہیں چھوڑی جس کو یہ پورا کریں، اے مسلمانو! خدا تعالیٰ سے ڈرو اور پہلے لوگوں کے طریقے کو اختیار کرو، اور اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی منقول ہے۔

(الاعتصام للشاطبیؒ ۱/۳۱۰، جواہر الفقہ ۱/۴۵۸)

بدعت حسنہ اور سیئہ کی حقیقت:

صحیح حدیث میں ہے: كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ، یعنی ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصطلاحِ شرع میں ہر بدعت سیّئہ اور گمراہی ہے، کسی بدعت اصطلاحی کو بدعتِ حسنہ نہیں کہا جا سکتا، البتہ لغوی معنی میں ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں اِس اعتبار سے ایسی چیزوں کو بدعتِ حسنہ کہہ دیتے ہیں جو صریح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نہیں تھی، بعد میں کسی ضرورت کی بنا پر ان کو اختیار کیا گیا، جیسے آج کل کے مدارس اسلامیہ اور ان میں پڑھائے جانے والے علوم وفنون کہ در اصل بنیاد تعلیم اور درس اور مدرسہ کی تو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے، آپ نے خود فرمایا ''اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً'' یعنی میں تو معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لیکن جس طرح کے مدارس کا قیام اور ان میں جس طرح کی تعلیم آج کل بضرورتِ زمانہ ضروری ہو گئی آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد میں اس کی ضرورت نہ تھی، آج ضرورت پیش آئی تو اِحیائے سنت کے لیے اس کو اختیار کیا گیا۔ جو تعریف بدعت کی اوپر لکھی جا چکی ہے اس کی رو سے ایسے اعمال بدعت میں داخل نہیں لیکن لغوی معنی کے اعتبار سے کوئی ان کو بدعت کہہ دے تو بدعتِ حسنہ ہی کہا جائے گا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے تراویح کی یکجا جماعت کو دیکھ کر اس معنی کے اعتبار سے فرمایا: نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ، یعنی یہ بدعت تو اچھی ہے، کیونکہ ان کو اور سب کو معلوم تھا کہ تراویح رسول اللہ ﷺ نے خود پڑھی اور پڑھائی اور زبانی اس کی تاکید کی، اس لیے حقیقۃً اور شرعاً تو اس میں بدعت کا کوئی احتمال نہ تھا، البتہ آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک میں ایک خاص عذر کی وجہ سے تراویح کی جماعت کا ایسا اہتمام نہ کیا گیا تھا جو بعد میں حضور ہی کی تعلیم کے مطابق کیا گیا، اس لیے ظاہری اور لغوی طور پر یہ کام بھی نیا تھا، اس کو نعمت البدعۃ فرمایا۔ بدعتِ حسنہ کا اس سے زیادہ کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے فرمایا: مَنْ أَحْدَثَ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ شَيْئًا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ سَلَفُهَا فَقَدْ زَعَمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ خَانَ الرِّسَالَةَ؛ لِأَنَّ اللَّهَ يَقُولُ: الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا۔ [المائدة: ۳]، فَمَا لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ دِينًا؛ فَلَا يَكُونُ الْيَوْمَ دِينًا.(اعتصام ۱٫۴۸)

فاروق رضی اللہ عنہ کے ارشاد یا بعض بزرگوں کے ایسے کلمات کی آڑ لے کر طرح طرح کی بدعتیں بدعتِ حسنہ کے نام سے ایجاد کرنے والوں کے لیے اس میں کوئی وجہ جواز نہیں ہے، بلکہ جو چیز اصطلاح شرع میں بدعت ہے وہ مطلقاً ممنوع و ناجائز ہے۔ البتہ بدعات میں پھر کچھ درجات ہیں، بعض سخت حرام قریب شرک کے ہیں، بعض مکروہ تحریمی، بعض تنزیہی۔ (جواہر الفقہ ۶٫۴۶۵)

بدعت کی تعریف اوراس کے اقسام واحکام کا خلاصہ

بدعت لغت میں ہر نئے کام کو کہتے ہیں خواہ عادت ہو یا عبادت، جن لوگوں نے یہ معنی لیے ہیں انہوں نے بدعت کی تقسیم دو قسم میں کی ہے: سیئہ اور حسنہ، جن فقہاء کے کلام میں بعض بدعت کو حسنہ کہا گیا ہے وہ اس معنی لغوی کے اعتبار سے بدعت ہیں، ورنہ در حقیقت بدعت نہیں۔

اور معنی شرعی بدعت کے یہ ہیں کہ دین میں کسی کام کا زیادہ یا کم کرنا جو قرنِ صحابہ تابعین کے بعد ہوا ہو، اور نبی کریم ﷺ سے اس کے کرنے کی اجازت منقول نہ ہو، نہ قولاً نہ فعلاً، نہ صراحتًا نہ اشارتًا۔

هذا ملخص ما فى الطريقة المحمدية وهو أجمع ما رأيت من تعريف البدعة، وإن أردت التفصيل فراجع إلى بريقة شرح الطريقة ۱٫۱۲۸۔

پھر بدعت میں درجات ہیں، بعض مکروہ کے درجہ میں ہیں، بعض حرام بعض شرک۔ اور مصر علی البدعۃ بہر حال فاسق ہے، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، کمافی الدر المختار وغیرہ۔

(امداد المفتیین فتاوی دار العلوم ۲٫۱۵۵)

غلوّ فی الدین کی تعریف اور اس کی مذمت:

غلو فی الدین وہ تباہ کن چیز ہے جس نے پچھلی امتوں کے دین کو دین ہی کے نام پر برباد کر دیا ہے، اسی لیے ہمارے آقا و مولا حضرت نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو اس وبائے عظیم سے بچانے کے لیے مکمل تدبیریں فرمائیں۔

حدیث میں ہے کہ حج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے رمی جمرات کے لیے حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ کو فرمایا کہ آپ کے واسطے کنکریاں جمع کر لائیں۔ انہوں نے متوسط قسم کی کنکریاں پیش کر دیں، آپ نے ان کو بہت پسند فرما کر دو مرتبہ فرمایا: بِمِثْلِہِنَّ بِمِثْلِہِنَّ یعنی ایسی ہی متوسط کنکریوں سے جمرات پر رمی کرنا چاہئے پھر فرمایا'' اِیَّاکُمْ وَالْغُلُوَّ فِیْ الدِّیْنِ فَاِنَّمَا ھلک مَنْ قَبْلَکُمْ بِالْغُلُوِّ فِیْ دِیْنِہِمْ ''۔ یعنی غلو فی الدین سے بچتے رہو کیونکہ تم سے پہلی امتیں غلو فی الدین ہی کی وجہ سے ہلاک و برباد ہوئیں۔

اس حدیث سے چند اہم مسائل معلوم ہوئے: اول یہ کہ حج میں جو کنکریاں جمرات پر پھینکی جاتی ہیں ان کی حدِّ مسنون یہ ہے جو متوسط ہوں، نہ بہت چھوٹی ہوں، نہ بہت بڑی ہوں، بڑے بڑے پتھر اٹھا کر پھینکنا غلو فی الدین میں داخل ہے۔

دوسرے یہ معلوم ہوا کہ ہر چیز کی حدِّ شرعی وہ ہے جو رسول کریم ﷺ نے اپنے قول و عمل سے متعین فرمادی اس سے تجاوز کرنا غلو ہے۔

تیسرے یہ واضح ہو گیا کہ غلو فی الدین کی تعریف یہ ہے کہ کسی کام میں اس کی حدِّ مسنون سے تجاوز کیا جائے۔ (معارف القرآن ۲؍۶۲۰ سورہ نساء)

سنت اور بدعت کے حدود:

رسول کریم ﷺ نے عبادات، معاملات اور معاشرت سب ہی چیزوں میں اپنے قول و عمل سے اعتدال کی حدود و مقرر فرمادی ہیں، اور ان سے پیچھے رہنا کوتاہی اور آگے بڑھنا گمراہی ہے، اسی لیے آپ

نے بدعات اور محدثات کو بڑی شدت کے ساتھ روکا ہے، ارشاد فرمایا: كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔ یعنی ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔

بدعت اسی چیز کو کہا جاتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل میں صراحتًا یا اشارتًا موجود نہ ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے لکھا ہے کہ اسلام میں بدعت کو اس لیے سخت جرم قرار دیا کہ وہ تحریف دین کا راستہ ہے، پچھلی امتوں میں یہی ہوا کہ انہوں نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کی تعلیمات پر اپنی طرف سے اضافے کر لیے اور ہر آنے والی نسل ان میں اضافے کرتی رہی، یہاں تک کہ یہ پتہ نہ رہا کہ اصل دین کیا تھا۔ (معارف القرآن ۲؍۶۲۱ سورہ نساء)

بدعت کی مذمت و قباحت قرآن کی روشنی میں:

''اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ''۔ (سورہ انعام) یعنی وہ لوگ جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں، اور ہو گئے بہت سے فرقے؛ تجھ کو ان سے کچھ سروکار نہیں، ان کا کام اللہ ہی کے حوالے ہے، پھر وہ جتلائے گا ان کو جو کچھ وہ کرتے تھے۔

اس آیت میں غلط راستوں پر پڑنے والوں کے متعلق اول تو یہ بتلا دیا کہ اللہ کا رسول ان سے بری ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا کوئی تعلق نہیں، پھر ان کو یہ وعید شدید سنائی کہ ان کا معاملہ بس خدا تعالیٰ کے حوالے ہے، وہی ان کو قیامت کے روز سزا دیں گے۔

دین میں تفریق ڈالنا اور فرقے بن جانا جو اس آیت میں مذکور ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اصولِ دین کے اتباع کو چھوڑ کر اپنے خیالات اور خواہشات کے مطابق یا شیطانی مکر و تلبیس میں مبتلا ہو کر دین میں کچھ نئی چیزیں بڑھا دے یا بعض چیزوں کو چھوڑ دے۔

دین میں بدعت ایجاد کرنے پر سخت وعید:

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس میں پچھلی امتوں کے لوگ بھی داخل ہیں، جنہوں نے اپنے اصول

دین کو ترک کر کے اپنی طرف سے کچھ چیزیں ملادی تھیں، اور اس امت کے اہل بدعت بھی جو دین میں اپنی طرف سے بے بنیاد چیزوں کو شامل کرتے رہتے ہیں، رسول کریم ﷺ نے ایک حدیث میں اس مضمون کو اس طرح واضح فرمایا ہے کہ:

''میری امت کو بھی وہی حالات پیش آویں گے جو بنی اسرائیل کو پیش آئے، جس طرح کی بداعمالیوں میں وہ مبتلا ہوئے میری امت کے لوگ بھی مبتلا ہوں گے، بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے، میری امت کے تہتر فرقے ہو جاویں گے، جن میں سے ایک فرقہ کے علاوہ سب دوزخ میں جائیں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہے؟ فرمایا ''مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ'' یعنی وہ جماعت جو میرے طریقہ پر اور میرے صحابہ کے طریقہ پر چلے گی وہ نجات پائے گی (اس روایت کو ترمذی، ابوداود نے بروایت ابن عمرؓ نقل کیا ہے)''۔

اور طبرانی نے بسند معتبر حضرت فاروق اعظم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اس آیت میں جن فرقوں کا ذکر ہے وہ اہل بدعت اور اپنی خواہشات و خیالات کے تابع نئے طریقے ایجاد کرنے والے ہیں، یہی مضمون حضرت ابوہریرہؓ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے۔ اسی لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین میں نئے نئے طریقے اپنی طرف سے ایجاد کرنے کو بڑی تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

امام احمد، ابوداود، ترمذی وغیرہ نے بروایت عرباض بن ساریہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت اختلافات دیکھیں گے، اس لیے (میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ) تم میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے اسی کے مطابق ہر کام میں عمل کرو، نئے نئے طریقوں سے بچتے رہو، کیونکہ دین میں نئی پیدا کی ہوئی ہر چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر جدا ہو گیا اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے نکال دیا۔ (رواہ ابوداؤد واحمد)

تفسیر مظہری میں ہے کہ جماعت سے مراد اس حدیث میں جماعت صحابہ ہے، وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا، اور آپ کو قرآن عطا فرمایا، اور قرآن کے علاوہ دوسری وحی عطا فرمائی، جس کو حدیث یا سنت کہا جاتا ہے، پھر قرآن میں بہت سی آیات مشکل یا مجمل یا مبہم ہیں، ان کی تفسیر و بیان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ بیان کرنے کا وعدہ فرمایا: ''ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ'' کا یہی مطلب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے مشکلات اور مبہمات کی تفسیر اور اپنی سنت کی تفصیلات اپنے بلاواسطہ شاگردوں یعنی صحابہ کرام کو اپنے قول و عمل کے ذریعہ سکھلائیں، اس لیے جمہور صحابہ کا عمل پوری شریعت الٰہیہ کا بیان و تفسیر ہے۔ اس لیے مسلمان کی سعادت اسی میں ہے کہ ہر کام میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اور جس آیت یا حدیث کی مراد میں اشتباہ ہو اس میں اس کو اختیار کرے جس کو جمہور صحابہ کرام نے اختیار فرمایا ہو۔

اسی مقدس اصول کو نظر انداز کر دینے سے اسلام میں مختلف فرقے پیدا ہو گئے کہ تعاملِ صحابہ اور تفسیراتِ صحابہ کو نظر انداز کر کے اپنی طرف سے جو جی میں آیا اس کو قرآن و سنت کا مفہوم قرار دے دیا، یہی وہ گمراہی کے راستے ہیں جن سے قرآن کریم نے بار بار روکا اور رسول کریم ﷺ نے عمر بھر بڑی تاکید کے ساتھ منع فرمایا اور اس کے خلاف کرنے والوں پر لعنت فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چھ آدمیوں پر میں لعنت کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ بھی ان پر لعنت کرے۔ ایک وہ شخص جس نے کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیا (یعنی خواہ کچھ الفاظ بڑھا دیئے یا معنی میں ایسی زیادتی کر دی جو تفسیر صحابہ کے خلاف ہے)۔ دوسرے وہ شخص جو تقدیر الٰہی کا منکر ہو گیا۔ تیسرے وہ شخص جو امت پر زبردستی مسلط ہو جائے تاکہ عزت دے دے اس شخص کو جس کو اللہ نے ذلیل کیا ہے، اور ذلت دے دے اس شخص کو جس کو اللہ نے عزت دی ہے۔ چوتھے وہ شخص جس نے اللہ کے حرام کو حلال سمجھا یعنی حرمِ مکہ میں قتل و قتال کیا، یا شکار کھیلا۔ پانچویں وہ شخص نے جس میری عترت و اولاد کی بے حرمتی کی۔ چھٹے وہ شخص جس نے میری سنت کو چھوڑ دیا۔ (معارف القرآن ۳؍۵۰۴، سورہ انعام پ ۸)